بچوں کو اپنے ہاتھ سے چندہ دینے کی عادت ڈالیں۔

اس سال کو انسانی بہبود کا سال بنا دیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ یکم جنوری ۱۹۹۳ء بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور ایدہ اللہ نے فرمایا:۔

کل شام کا سورج غروب ہونے کے ساتھ اللہ کے فضل سے ایک نیا سال طلوع ہونے کے سامان پیدا ہوئے اور آج صبح کے سورج کے طلوع ہونے کے ساتھ تمام عالم پر ایک نیا دن طلوع ہوا ہے۔ پس میں تمام دنیا کے احباب جماعت کو چھوٹوں بڑوں کو اور مردوں اور خواتین کو نہایت محبت بھرا اسلام اور مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

سال نو کی مبارک باد دینے کا رواج محض ایک رواج نہیں بلکہ ''مبارک'' لفظ میں ایک دعا پائی جاتی ہے۔ Greetings میں تو کوئی دعا نہیں لیکن جب ہم مبارک کہتے ہیں اور ''مبارک ہو'' کے الفاظ سے کسی کو خوشی کے جذبات پہنچاتے ہیں تو اس میں درحقیقت ایک دعا ہے پس میں بھی ان معنوں میں آپ سب کو یہ دعا دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ یہ سال آپ سب کے لئے ہر پہلو سے بابرکت فرمائے اور جماعت احمدیہ کے لئے بالعموم بہت بابرکت فرمائے اور خصوصاً دعوت الی اللہ کے میدان میں جماعت کی کوششوں کو غیر معمولی پھل لگائے اور دائمی پھل لگائے اور آگے پھر پھولنے پھلنے والے بیج عطا کرتا رہے۔ بہر حال ایک تو جماعت کو مبارک باد دینا مقصود تھی اور ایک کل عالم کے مسلمانوں کو خواہ ان کا تعلق جماعت احمدیہ سے ہو یا نہ ہو میں دل کی گہرائی سے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اسی

طرح تمام انسانیت کے لئے میرے دل میں فلاح و بہبود کے جو جذبات ہیں اور جو نیک خواہشات ان سے وابستہ رکھتا ہوں اس پہلو سے تمام دنیا کے انسانوں کو خواہ ان کا کوئی بھی مذہب ہو کوئی بھی رنگ ہو، کسی قوم سے تعلق رکھتے ہوں، کسی مذہب کے ماننے والے ہوں، میں دل کی گہرائی سے نکلی ہوئی مبارک باد پیش کرتا ہوں جو تمام جماعت احمدیہ کی طرف سے ہے صرف میری طرف سے ہی نہیں۔

میں نے مبارک باد کے اس مضمون پر جہاں تک غور کیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس بھری دنیا میں جہاں اربوں لوگ آباد ہیں سب سے زیادہ احمدی دل ہیں جو حقیقت میں بنی نوع انسان کے بہی خواہ ہیں اور واقعۃً دل کی گہرائی سے ان کی خیر چاہتے ہیں ورنہ اکثر لوگ تو اپنے محدود دائروں سے وابستہ ہو کر رہ گئے ہیں۔ ایک مسلمان زیادہ سے زیادہ سوچے گا تو اسلام کی بہبود کی سوچتا ہے یا ایک پاکستانی پاکستان کی بہبود کی سوچتا ہے۔ انگلستان میں بسنے والا ایک انگریز انگلستان کی بہبود کی سوچتا ہے اور شاید ہی کوئی دل ایسا ہو جس کی گہرائی سے کل عالم اسلام کی خیر خواہی کی دعائیں اٹھتی ہوں اور جہاں تک میرا علم ہے تمام احمدی جو تمام دنیا میں، مشرق و مغرب میں تہجد کی نماز کے لئے اٹھتے ہیں انہوں نے اپنا دستور بنا رکھا ہے کہ وہ نظام جماعت کے لئے یا خلیفہ وقت کے لئے، اپنے عزیزوں اور پیاروں کے لئے جہاں دعا کرتے ہیں وہاں انسانیت کو بحیثیت انسانیت پیش نظر رکھتے ہوئے کل عالم کے انسانوں کے لئے ضرور دعا کرتے ہیں۔ یہ میرا ایک جائزہ ہے جو مختلف احمدیوں کے خطوط سے مترتب ہوتا ہے اور ویسے بھی اپنے دل کی کیفیت سے میں یہی اندازہ کرتا ہوں کیونکہ میرے اور جماعت کے دل کے دھڑکنے کے انداز ایک ہیں ایک ہی نہج پر ہم سوچتے ہیں۔ ایک ہی طرز پر محسوس کرتے ہیں۔ اس لئے جو میری کیفیات ہیں وہ سب جماعت کی ہوں گی اور ایسا ہے بھی کیونکہ خط لکھنے والے تو کم ہیں جو لکھتے ہیں مگر جو لکھتے ہیں وہ نمونے بھیج دیتے ہیں، وہ بتا دیتے ہیں کہ فجی میں بھی ایسے ہی احمدی بستے ہیں جیسے نائیجیریا، یا سیرالیون میں یا غانا میں یا امریکہ میں یا انگلستان میں یا جرمنی میں، غرضیکہ احمدی خط جہاں سے بھی ملتے ہیں ان کی ادائیں ایک ہوتی ہیں۔ پس احمدی مزاج ایک بین الاقوامی مزاج بن چکا ہے **اور انسانیت کی بھلائی چاہنا، انسانیت کی بہبود چاہنا اس بین الاقوامی مزاج کی سرشت میں داخل ہے**، اس میں کوئی بناوٹ نہیں، کوئی تصنع، کوئی تکلف نہیں، جس جماعت کو یہ بین الاقوامی مزاج نصیب ہوگا اس مزاج سے از خود تمام عالم کے لئے دعائیں پھوٹیں گی۔ پس اللہ تعالیٰ

یہ نیا سال تمام دنیا کو بحیثیت انسان مبارک کرے اور اس پہلو سے آگے چل کر میں جو تحریک کروں گا اس کا تعلق **اس سال کو انسانی بہبود کا سال بنانے سے ہے۔** میں سمجھتا ہوں کہ ہر سال ہم **ایک مطمح نظر اپنے سامنے رکھتے ہیں۔ اس سال مطمح نظر یہ رکھیں کہ انسان کو انسانیت کے آداب سکھائے جائیں** اس سلسلہ میں میں انشاء اللہ چند ایک تجاویز بھی بعد میں آپ کے سامنے رکھوں گا۔

ابھی گزشتہ سال کے آخر پر ایک عجیب نوع کا جو عالمگیر جلسہ ہوا تھا اس کے متعلق مختلف ممالک سے جماعت احمدیہ سے وابستہ دوستوں کے جذبات مجھ تک پہنچ رہے ہیں۔ شروع شروع میں تو باقاعدہ ٹیلی فون یا فیکسز کے ذریعہ پیغام مل رہے تھے اب بھی پہنچنے شروع ہو گئے ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ اس جلسے کا جو اثر احمدی قلوب اور اذہان پر پڑا ہے۔ وہ ہماری توقع سے بہت زیادہ بڑھ کر ہے۔ اکثر لکھنے والوں نے یہ محاورہ استعمال کیا ہے کہ آپ اندازہ نہیں لگا سکتے جو کیفیت ہے اور میں لکھ نہیں سکتا جو کیفیت ہے، میرے پاس الفاظ نہیں جن سے بیان کر سکوں، میں اپنی کیفیت ہی نہیں بلکہ اپنے سارے ماحول کی کیفیت بتا رہا ہوں اور بعضوں نے لکھا کہ یہ صرف احمدیوں کا حال نہیں ہے جو غیر بھی ہمارے ساتھ شریک ہیں ان کے دلوں کی بھی یہی کیفیتیں ہیں۔ چنانچہ انہوں نے جو بعض تأثرات بھیجے ہیں وہ حیرت انگیز ہیں۔

اسی طرح قادیان سے آنے والے ایک دوست نے بتایا کہ جو سکھ، ہندو دوست جلسہ میں شریک تھے اور زیادہ تر سکھ تھے جب وہ مختلف مواقع پر قادیان کے مناظر دیکھتے تھے جن میں بعض دفعہ خود ان کی تصویریں بھی دکھائی دیتی تھیں تو بے اختیار ہو کر ان کی زبانوں سے نعرے بلند ہوتے تھے اور جب جماعت نعرے لگا رہی ہوتی تھی تو وہ بھی شامل ہو جایا کرتے تھے اور یہ کیفیت ساری دنیا میں ایک ہی طرح سے ایک ہی وقت میں رونما ہو رہی تھی اگرچہ ساری دنیا میں اس وقت الگ الگ وقت تھے یعنی ایک لمحہ میں جو آواز اٹھ رہی تھی وہ چوبیس گھنٹے پر پھیلے ہوئے لمحوں کی آواز بن گئی۔ کہیں یہ آدھی رات کی آواز تھی، کہیں صبح سویرے کی آواز تھی، کہیں تہجد کے وقت کی آواز تھی، کہیں شفق صبح کی آواز بن گئی تھی، کہیں شفق شام کی آواز بن گئی تھی، کہیں جھٹپٹے کی آواز تھی گویا کہ چوبیس گھنٹے میں زمین کے گول ہونے اور اس کے چکر لگانے کی بنا پر جتنے لمحے ہیں اس ایک لمحے کی آواز بیک وقت چوبیس گھنٹوں کے ہر لمحے کی آواز بن رہی تھی اور اس کیفیت کا ایک غیر معمولی اثر

احمدیوں نے محسوس کیا۔اس میں لطیفے کی ایک بات یہ بھی ہوئی کہ امریکہ کے ایک دوست نے خط لکھتے ہوئے بڑے جوش میں جلسے کے اثرات بیان کرنے شروع کئے کہ مجھے یوں لطف آیا اور پھر مجھے یوں لطف آیا اور اچانک انہوں نے کہا کہ ایک بات سوچ کر میرا رنگ فَق ہو گیا اور وہ بات یہ تھی کہ میں نے سوچا کہ یہ نہ ہو کہ آپ امریکہ کا اگلا جلسہ بھی لنڈن ہی سے کروادیں۔ یہ لطیفہ میں نے گھر پر بچوں کو سنایا تو میری ایک بیٹی نے کہا کہ یہ نہ ہوگا کیا مطلب؟ **اب تو یہ ہونا ہی ہونا ہے کیونکہ جماعت خدا کے فضل سے اس تیزی سے پھیل رہی ہے اور ہر ملک کی خواہش ہوگی کہ آپ ضرور جائیں اب تو جلسے پھیلنے شروع ہو جائیں گے اور لازماً خلیفہ وقت جو بھی ہوگا جہاں بھی ہوگا۔وہاں سے وہ ہر جلسے میں شرکت کیا کرے گا۔**تو میری دوسری بیٹی نے پھر ایک سالانہ کیلنڈر تجویز کیا کہ صبح اٹھ کر لوگ جس طرح تاریخیں پوچھتے ہیں یہ پوچھا کریں گے کہ آج کونسا جلسہ ہے تاکہ ٹیلی ویژن کے ذریعہ اس جلسہ کو دیکھیں تو بہر حال یہ لطیفے بھی ہیں اور حقیقتیں بھی ہیں اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ خدا تعالیٰ نے احمدیت کی کائنات بدل دی ہے موسم تبدیل کر دیئے ہیں۔وہ احمدی جن کی آواز گھروں تک پہنچنے سے روکی جا رہی تھی وہ گھروں میں داخل ہو گئے ہیں۔ساری دنیا کے گھروں میں داخل ہو کر ان کے دلوں میں اُتر رہے ہیں۔**کون ہے جو خدا کی اس تقدیر کی راہ میں حائل ہو سکے؟ اب تو یہ سلسلہ پھیلے گا اور پھولے گا اور پھلے گا اور کوئی نہیں جو اس کی راہ میں حائل ہو سکے۔ یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ شاداب درخت ہے جس کی شاخوں نے تمام دنیا پر پھیل کر سب دنیا کے لئے سائے اور عاطفت کے سامان پیدا کرنے تھے۔**

سب سے دلچسپ بات یا دلچسپ باتوں میں سے ایک بات کہہ لیجئے جس کی طرف میری خاص توجہ گئی تھی اور جس کے متعلق مجھے معلوم ہوا ہے کہ ساری دنیا کی جماعتیں بھی محسوس کر رہی ہیں وہ ہے ”عالمی بیعت“۔**تاریخ عالم میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ اللہ اور رسولؐ کے نام پر کوئی بیعت لی جا رہی ہو اور بیک وقت سارے جہان میں اس بیعت کے ساتھ زبانیں بھی متحرک ہوں اور دل بھی دھڑک رہے ہوں اور ایک آواز کے ساتھ لا الٰہ الا اللّٰہ محمّد رسول اللّٰہ کا اقرار کرنا دل میں ایک عجیب کیفیت پیدا کرتا ہے** اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خدا تعالیٰ کی تقدیر کا ایک اظہار تھا یہ کوئی اتفاقی واقعہ نہیں ہوا۔ یہ بیان کیا گیا تھا کہ ایک نئے انگریز مسلمان کے دل میں یہ

خیال آیا کہ میں بھی اس موقع پر بیعت کرلوں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ فرشتوں کی تحریک تھی کوئی اتفاقی خیال نہیں تھا۔ ہمارا گزشتہ سال اس بیعت سے سج گیا ہے اس کے سر پر ایک تاج رکھا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ ساری دنیا کی جماعت تجدید بیعت کے ذریعہ اب وفاؤں اور خدمتوں کے ایک نئے دور میں داخل ہو رہی ہے کیونکہ ہر جگہ جماعت بیعت میں شامل تھی۔ یہ اس بیعت کی تعبیر ہے اور میں سمجھ رہا ہوں کہ آئندہ پھر بیعتیں انشاء اللہ اسی طرح ہوا کریں گی کہ ایک جگہ جب کسی جلسہ میں بیعت ہو رہی ہو گی تو لاکھوں بیعتیں دنیا میں ساتھ ہو رہی ہوں گی اور وہ جو کروڑ کا تصور میں نے پیش کیا تھا اب وہ دور کی خواب وخیال اور خواہش کی بات نہیں رہی میں سمجھتا ہوں کہ اس کا وقت قریب آ رہا ہے کیونکہ جلسوں میں جو شریک ہوتے ہیں خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم یا خطبوں میں جو شریک ہوتے ہیں خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم، ان کے متعلق پہلے دوسرے لکھتے ہیں پھر وہ خود خط لکھنے لگ جاتے ہیں اور آج کل تو تقریباً روزمرہ ڈاک میں ایسے خط نکلتے ہیں کہ ہمیں ایک احمدی دوست لے آئے تھے ہم مسلمان تھے لیکن احمدی نہیں تھے بلکہ بعض سخت نفرتوں کا شکار تھے اور ایک جمعہ میں ہی آ کر کایا پلٹ گئی۔ اب ہم نے وہ کچھ دیکھا ہے جو سنی سنائی باتوں کے بالکل برعکس ہے۔ کان اور سنتے تھے، آنکھیں اور دیکھتی ہیں اور اب کان بھی اور سننے لگ گئے ہیں۔ اس قسم کے تأثرات مسلمانوں کی طرف سے ہی نہیں ہندوؤں کی طرف سے بھی، سکھوں کی طرف سے بھی اور انگریزوں یا یورپینز کی طرف سے بھی آنے شروع ہوئے ہیں اور بعض بیعتوں کے قریب پہنچ گئے، بعض نے اس شمولیت کی وجہ سے بیعتیں کرلیں۔ تو جوں جوں یہ سلسلہ پھیلے گا جماعت سے باہر سننے والوں کی تعداد میں بھی خدا کے فضل سے نمایاں اضافہ ہوگا کیونکہ بعض جگہ سے تو یہ بھی اطلاع ملی کہ ایک غریب احمدی کو ڈش انٹینا لگانے کی توفیق نہیں تھی اس کے امیر ہمسائے کو جو غیر احمدی تھا جب پتا چلا تو اس نے انٹینا لگایا اور کہا کہ اپنے محلے کے سارے احمدیوں کو کہو کہ میرے گھر آ کر سنا کریں اور وہ سارے مل کر اب سنتے ہیں اور دیکھتے ہیں تو اس لئے یہ جو گزشتہ سال ہے **یہ خدا کے فضل سے واقعۃً جماعت احمدیہ کے لئے ایسی خوشخبریاں نہیں لایا جو یادیں بن کر ماضی میں رہ جاتی ہیں بلکہ ایسی خوشخبریوں کے پیغام لایا ہے جو مستقبل میں ہمارے آگے آگے نور کی طرح بھاگیں گی اور ہمیں تیز قدم چلنے کے اشارے کرتے ہوئے اور آگے بڑھیں گی اور اس طرح احمدیت کا یہ قافلہ شاہراہ ترقی اسلام پر خدائے واحد ویگانہ کی**

تکبیر بلند کرتے ہوئے اور محمد مصطفی ﷺ کے حسن و جمال کے گیت گاتے ہوئے آگے سے آگے بڑھتا چلا جائے گا۔

گزشتہ خطبہ میں وقف جدید کا جو اعلان ہوا تھا اس میں دو باتیں تو غلطی سے ایسی بیان ہوئیں جن کی تصحیح ضروری ہے اور ایک پہلو ''وقف جدید اطفال نو'' کا ذکر رہ گیا تھا وہ میں اب کروں گا سب سے پہلے تو ایک عددی غلطی ہے یعنی جب میں نے پاکستان ، ہندوستان اور بنگلہ دیش کی جماعتوں کے علاوہ باقی دنیا میں وقف جدید کے وعدوں اور وصولی کے لحاظ سے 1991ء اور 1992ء کا موازنہ کیا تو غلطی سے یہ کہہ دیا 66% اضافہ ہوا ہے حالانکہ جو فقرہ نیچے لکھا ہوا تھا وہ 66 ہزار کا تھا اور باقی جگہ فیصد چل رہی تھی اس لئے میرے منہ سے بھی 66 ہزار کی بجائے 66% نکل گیا یہ درستی ہونی چاہئے 34.64 فیصد اضافہ ہوا تھا۔

دوسرے میں نے حضرت شیخ محمد احمد صاحب کا ذکر کرتے ہوئے ان کو صحابی بیان کر دیا تھا آپ کی پیدائش دراصل 14؍نومبر 1896ء کی ہے جبکہ حضرت منشی ظفر احمد صاحب جوان کے بزرگ صحابی والد تھے وہ اس سے پہلے احمدی ہو چکے تھے اور یہ پیدائشی احمدی تھے تو مجھے چونکہ یاد تھا کہ یہ پچھلی صدی میں پیدا ہوئے تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کا ایک بڑا حصہ انہوں نے پایا اس لئے میں نے صحابی کہہ دیا اس سلسلہ میں ایک خط کا اقتباس میرے سامنے ہے جو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شیخ محمد احمد صاحب کی پیدائش پر ان کے والد کے نام مبارک باد کا خط لکھا جو یہ ہے:

''محبی اخویم منشی ظفر احمد صاحب سلمہ ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
لڑکا نو وارد مبارک ہو۔ اس کا نام محمد احمد رکھ دیں خدا تعالیٰ باعمر کرے۔''

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سارے کام اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ اس زمانے میں کوئی سیکرٹری تو ہوا نہیں کرتے تھے اور کتابیں بھی لکھنا۔ بڑے بڑے مضامین لکھنا پھر بے شمار اور دوسرے کام تھے کہ یقین نہیں آتا کہ چوبیس گھنٹے کے اندر اتنے کام ممکن ہیں پھر اپنے صحابہ کی دلداری کے لئے اپنے ہاتھ سے آپ انہیں خط بھی لکھا کرتے تھے مگر تحریر مختصر اور بہت سے مضامین کو چند الفاظ میں سمیٹے ہوئے اس خط میں یہ ''باعمر کرے'' والی جو بات ہے یہ ہر خط میں آپ نہیں لکھا کرتے تھے کسی

خط میں کوئی دعا ہوتی تھی، کسی خط میں کوئی دعا ہوتی تھی اور یہ پڑھ کر مجھے خیال آیا کہ جماعت کو بھی اپنے ان جذبات میں شریک کروں کہ حضرت شیخ محمد احمد صاحب کی عمر غیر معمولی حالات میں، بہت سخت بیماریوں کا شکار رہنے کے باوجود خدا کے فضل سے لمبی سے لمبی ہوتی چلی گئی ہے اور دعا کا ایک چھوٹا سا فقرہ یہ تھا کہ خدا تعالیٰ باعمر کرے تو باعمر تو ہو گئے اور اب سو سال پورے ہونے میں چار سال رہتے ہیں اللہ کرے یہ اگلی صدی بھی دیکھیں عمر کی اگلی صدی بھی اور دوسری بھی۔ یہ تو ہماری ایک خواہش اور تمنا ہے لیکن یہ دعا ضرور ساتھ کرنی چاہئے کہ صحت و عافیت کی شرط کے ساتھ، باہوش اور باعمر رہتے ہوئے ایسی حالت میں لمبی زندگی کی دعا کرنا مناسب نہیں کہ انسان صاحب فراش ہو چکا ہو دوسروں پر بوجھ بن چکا ہو اور حضرت شیخ صاحب کے متعلق تو میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ بڑے خوددار انسان ہیں اور ادنیٰ سا بوجھ بھی کسی پر ڈالنا پسند نہیں کرتے اس لئے ہماری تمنا اور خواہش ہے، البتہ اللہ کے ہاں جو بھی منظور ہو اسی پر ہم راضی ہیں۔ پس ان کو جو صحابی کہا گیا تو اس لئے کہ خیال تھا کہ اس زمانے میں ضرور کسی وقت گئے ہوں گے لیکن یہ معلوم کر کے تعجب ہوا ہے کہ کبھی بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں خود حاضر ہونے کا موقع نہیں ملا اور اس زمانے میں جو بعض عشاق صحابہ تھے۔ ان کی عشق کی عجلت نے بھی ایسا کیا ہے۔ بعض دفعہ انسان ایک خیال میں ایسا مگن ہو جاتا ہے کہ اپنے گردوپیش، اپنے ماحول، اپنے بچوں تک کی فکر نہیں رہتی تو وہ اس شدت کے جذبے سے قادیان کی طرف کھنچے جایا کرتے تھے کہ معلوم ہوتا ہے کہ اس بات کی ہوش نہیں تھی کہ میں اپنے بچے کو بھی لے جاؤں اور اس کو بھی صحابی بنالوں مگر میں نے جو صحابی کہا تو صرف عمر کی وجہ سے نہیں ان کی ادائیں بھی صحابہؓ والی ہیں۔ پس میری غلطی تو اپنی جگہ لیکن ان سے بھی تو پوچھئے کہ وہ کیوں اتنے پیارے ہوئے جنہوں نے اپنی ساری زندگی صحابہؓ کی طرح صرف کی ہو ان کو اگر غلطی سے صحابہؓ میں شمار کر لیا جائے تو انسانی نقطۂ نگاہ سے تو غلطی ہے مگر خدا تو بغیر غلطی کے شامل کر سکتا ہے۔ پس آخری دعا جو میں کرتا ہوں اور آپ سے بھی اس کی گزارش کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ حضرت شیخ محمد احمد صاحب کے لئے یہ دعا کریں کہ میرے منہ سے جو غلطی سے نکلا تھا خدا کی تقدیر میں واقعۃً لکھا جائے اور اللہ کے رجسٹر میں ان کا شمار صحابہؓ میں ہو۔ (آمین)

اب مختصراً وقف جدید کے اطفال کے دفتر کا ذکر کرتا ہوں 1966ء میں دفتر اطفال قائم ہوا

تھا پہلے سال -/3065 روپے وصولی تھی اور 1992ء میں خدا کے فضل سے یہ وصولی بڑھ کر -/6,22,596 ہو چکی ہے لیکن یہ وصولی دراصل صحیح حقیقت پیش نہیں کر رہی کیونکہ بیرونی دنیا میں اکثر ممالک میں ''دفتر اطفال'' کا الگ طور پر ریکارڈ نہیں رکھا جاتا۔ اس لئے آئندہ سے اگر تمام دنیا کی جماعتیں ''دفتر اطفال'' کا حساب الگ رکھنا شروع کر دیں تو اس سے صحیح شکل سامنے آئے گی اور یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ بہت سی مائیں اپنے بچوں کی طرف سے چندے دیتی ہیں اور بچوں کو پتا ہی نہیں لگتا اور ''دفتر اطفال'' کے قیام کے لئے بہت حد تک یہ غرض پیش نظر تھی کہ بچوں کو علم ہو کہ وہ بھی چندے دے رہے ہیں اور ان کے ہاتھوں سے چندے نکلیں اور انہیں چندوں کا شوق پیدا ہو اور بچپن کی چندوں کی یادیں آئندہ ان کے چندے دینے کے لئے ضمانت بن جائیں یا مددگار ثابت ہوں۔ میں نے اس سلسلہ میں اپنی ان دو بچیوں سے سوال کیا جو شادی شدہ ہیں تو انہوں نے کہا کہ ہاں وہ سب بچوں کی طرف سے چندے دے رہی ہیں لیکن جب پوچھا کہ ان کو علم ہے تو پتا لگا کہ نہیں۔ یہ غلطی ہے۔ ہماری والدہ تو ہمیں بتا کر بلکہ پیسے دے کر پھر واپس لیا کرتی تھیں یہ سمجھا کر کہ تم چندہ دے رہے ہو میں نہیں دے رہی۔ اس کا دل پر بڑا گہرا نقش ثبت رہا اور ہمیشہ رہے گا اس لئے اطفال کی تحریک کے سلسلہ میں تمام دنیا کی جماعتوں کو میں متوجہ کرتا ہوں کہ بچوں کے دفاتر اپنے ہاں قائم کریں اور آئندہ سے جو ماں باپ بچوں کی طرف سے چندہ دیں۔ ان کو بتا کر دکھا کر دیں بلکہ ان کو دے کر پھر واپس لیں اور کہیں کہ یہ تمہاری طرف سے چندہ ہے اگر ایسا کریں گے تو بچوں کے چندوں میں بھی ایک فرق آنا شروع ہو جائے گا بچوں کے وہ چندے جو ماں باپ کی طرف سے لکھائے جاتے ہیں مثلاً پاکستان میں اگر چھ روپے مقرر ہے تو اکثر صورتوں میں چھ روپے ہی رہتے ہیں لیکن جہاں بچے شامل ہو جائیں اور اپنے مزاج اور اپنے شوق کے مطابق لکھوائیں تو وہاں اونچ نیچ پیدا ہو جاتی ہے۔ کوئی بچہ چھ دے رہا ہے کوئی دس دے رہا ہے کوئی پندرہ دے رہا ہے بعض بچے اپنے جیب خرچ اکٹھے کرتے ہیں اور پھر وہ ساری کی ساری جمع شدہ رقم دے دیتے ہیں تو دراصل یہی وہ مقصد ہے جس کی خاطر ''دفتر اطفال'' کو الگ کیا گیا تھا۔ میں امید رکھتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ باقی دنیا میں بھی ''دفتر اطفال'' الگ ہوگا۔ تو آئندہ نسلوں کی تربیت کی بہت توفیق ملے گی۔

پاکستان میں ''دفتر اطفال'' میں جو اول دوم سوم آئے ہیں اب ان کا اعلان کرتا ہوں۔ سب

سے پہلے تو اہل ربوہ خوشخبری سننے کے لئے تیار ہو جائیں۔ سارے پاکستان میں ''دفتر اطفال'' میں سب سے زیادہ ربوہ کے بچوں نے حصہ لیا ہے اور کمیت کے لحاظ سے بھی اور کیفیت کے لحاظ سے بھی خدا کے فضل سے ربوہ کے بچوں نے -/88,538 روپے اس مد میں ادا کئے۔ دوسرے نمبر پر لاہور کی باری ہے اور تیسرے نمبر پر کراچی کی لیکن مجھے یہ خیال ہے کہ کراچی زیادہ دیر تک تیسرے نمبر پر نہیں رہے گا وہ یہ سن کر کافی شرمندہ ہوں گے کہ لاہور سے تقریباً تیسرا حصہ پیچھے رہ گئے ہیں یعنی لاہور ان سے تین حصے آگے بڑھ گیا ہے اب میں زیادہ اعداد و شمار نہیں بتاتا کیونکہ شرمندہ کرنا مقصود نہیں بلکہ محض مہمیز دینا میرے پیش نظر ہے کہ ذرا ولولے پیدا ہوں اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔ راولپنڈی چوتھے نمبر پر آیا ہے، گوجرانوالہ پانچویں نمبر پر، سیالکوٹ چھٹے پر، سرگودہا ساتویں پر، فیصل آباد آٹھویں پر، شیخوپورہ نویں پر اور تھرپارکر دسویں نمبر پر۔

اب میں اس مضمون کی طرف آتا ہوں جس کا میں نے ابتداء میں تعارف کرایا تھا اس وقت دنیا کو سب سے زیادہ انسانی قدروں کو بحال کرنے کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے، انسانی قدریں ہر پہلو سے پامال ہو رہی ہیں، ہر قسم کے جرائم بڑھ رہے ہیں اور ان کے نتیجہ میں انسانی ضمیر کچلا جا رہا ہے اور اکثر جگہ تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ضمیر دم توڑ چکا ہے کوئی حیا، کسی قسم کی کوئی غیرت، انسانیت کی کوئی رمق بھی بعض جگہ دکھائی نہیں دیتی۔ مثلاً جہاں چھوٹے بچوں پر ظلم ہو رہا ہے جہاں بیگار کیمپ اس طرح چلائے جا رہے ہیں کہ کسی کے معصوم بچے کو اغوا کر کے اس کو نہایت خطرناک تکلیف دہ مزدوری میں مبتلا کر کے چند پیسے کمانے کی خاطر اتنے بڑے ظلم توڑے جا رہے ہیں، ساری زندگی کے لئے اس بچے کے لئے بھی ایک عذاب کی زندگی ہے اور ماں باپ کے لئے بھی ایک عذاب کی زندگی ہے کسی کو کچھ پتا نہیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے کہاں چلے گئے بچے اور وہ بچے خوف و ہراس میں اتنا مبتلا کر دیئے جاتے ہیں کہ وہ آواز بھی بلند نہیں کر سکتے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک احمدی بچہ اغوا ہونے کے بعد اسی قسم کے ایک کیمپ سے نکل کر بھاگ کر پہنچا تھا اور اس نے جو رُوداد سنائی وہ تو ایسی ہے کہ سن کر دل بیٹھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا محض فضل اور احسان تھا کہ اس کی دعاؤں کے نتیجہ میں اسے توفیق مل گئی ورنہ جو کام وہاں ہوتے ہیں اور کئے جاتے ہیں اور جس قسم کی گراوٹ کی باتیں وہاں ہوتی ہیں اس کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ کیمپ اسلامی مملکت پاکستان میں بھی جاری ہیں اور

ہندوستان میں بھی اور وہ جو اسلام کے نام پر جہاد کرنے والے پٹھان ہیں وہ بدقسمتی سے سب سے زیادہ اس میں ملوث ہیں ۔ عجیب وغریب تضادات کی دنیا بن چکی ہے۔ کیسے ہوسکتا ہے کہ انسانی قدریں تو پاؤں تلے روندی جائیں بلکہ ایسی گندی کردی جائیں کہ ان پر پاؤں رکھتے ہوئے حیا آتی ہو اور باتیں آسمان کی اور الوھیت کی اور خدا کی عزت اور جلال کی ہوں اور محمد رسول اللہ ﷺ کی حمد وثناء کے گیت گائے جارہے ہوں اور نیچے یہ ہو رہا ہو تو یہ اتنا بڑا تضاد ہے کہ اس تضاد سے طبیعت میں متلی پیدا ہونے لگتی ہے۔ پس انسانی قدروں کے لئے ایک عالمی جہاد کی ضرورت ہے اور جماعت کو ہر جگہ اس کو موضوع بنانا چاہئے انگلستان اور یورپ وغیرہ میں یہی بدی اور طرح سے پائی جاتی ہے وہاں بھی پائی جاتی ہوگی لیکن یہاں تو ماں باپ اپنے ہی معصوم بچوں پر ظلم کرتے ہیں یا ان کے رشتہ دار ظلم کرتے ہیں یا ویسے بچوں کو پکڑ کر لے جاتے ہیں زیادتی کی اور پھر بہیمانہ طور پر قتل کر کے پھینک دیا۔ یہ ساری ایسی بیماریاں ہیں جو گہری دبی ہوئی ہیں اور جو چند باتیں میں بتا رہا ہوں یہ وہ پھوڑے ہیں جو ان گہری بیماریوں میں سے کہیں کہیں سطح پر پھوٹ رہے ہیں ۔ جب تک سارے خون میں فساد واقع نہ ہو جائے اس وقت تک ایسے مکروہ پھوڑے جسم پر نہیں ہوا کرتے ان بیماریوں کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے، انسان کی بڑی بدنصیبی ہے کہ بنیادی انسانی قدروں سے نا آشنا ہو چکا ہے اور جو رہی سہی قدریں ہیں ان کا مذہبی رہنما خون کر رہے ہیں اور ان قدروں کو ملیا میٹ کرنے کے لئے انہوں نے گویا ایک برعکس جہاد کا اعلان کر رکھا ہے۔ میری مراد یہ ہے کہ یہ تو انسان کے ایسے مظالم ہیں جن میں کوئی مُلّاں، کوئی پنڈت، کوئی پادری براہ راست ذمہ دار قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ وہ اپنی مسجدوں، مندروں اور معابد سے یہ اعلان تو نہیں کرتا کہ تم ایک دوسرے پر ایسے ایسے مظالم کرو لیکن بالواسطہ ذمہ دار ضرور بن جاتا ہے کیونکہ اس کی آنکھوں کے سامنے سوسائٹی میں یہ سارے واقعات ہو رہے ہوتے ہیں لیکن اس کی انسانیت کی رگ نہیں پھڑکتی، خدا تعالیٰ سے محبت کے تقاضوں میں انسانی ہمدردی کا تقاضا داخل ہی نہیں ہے ۔ گویا معبود کی دنیا الگ ہے اور عبادت کرنے والوں کی دنیا الگ ہے، محبت کا جو رخ ہے آسمان کی طرف ہی ہے اور زمین محبت سے خالی ہوگئی ہے۔ ایسی محبت جو محض خدا سے کی جائے اور بنی نوع انسان سے اس محبت میں ہاتھ کھینچ لئے جائیں تو اس محبت کو رفع ہو ہی نہیں سکتا۔ لعنتوں اور پھٹکاروں کے ساتھ وہ محبت ان لوگوں

کے منہ پر ماری جاتی ہے۔اس لئے بلا واسطہ تو نہیں مگر بالواسطہ یہ لوگ یقیناً ذمہ دار ہیں، جن کے مقاصدِ زندگی میں یہ بات داخل ہے کہ اللہ کی محبت کے ساتھ بنی نوع انسان کے حقوق کا تصور پیدا کریں، ان کا پیار دلوں میں پیدا کریں اور ظلم وسفا کی کو دنیا سے مٹانے کے لئے ہر ممکن کوشش کریں۔

لیکن ایک اور ظلم ہے جس میں یہ بلا واسطہ خود شریک ہوتے ہیں اور وہ ہے کہ مذہب کے نام پر نفرتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور دنیا کے ہر مذہب میں یہ اس کثرت سے اور اس بے حیائی سے ہو رہا ہے کہ حیرت ہوتی ہے کہ ان لوگوں کی عقلیں کہاں گئی ہیں ۔ **مذہب کے اعلیٰ مقاصد میں خدا کی عبادت ہے اور خدا کی عبادت بندوں کے ساتھ حسن سلوک از خود سکھاتی ہے۔جس عبادت کے نتیجہ میں انسان خدا کی مخلوق سے دور ہو جائے وہ شیطان کی عبادت تو قرار دی جاسکتی ہے اللہ کی عبادت قرار نہیں دی جاسکتی، اس عبادت کا کیا فائدہ، جس کے نتیجہ میں خالق اور مخلوق کے درمیان فرق کر دیئے جائیں اور خالق کے نام پر مخلوق پر ظلم توڑے جا رہے ہوں۔**

پس اس وقت مذہبی بحثوں کا وقت نہیں ہے وہ بھی جہاں مناسب ماحول ہو چلیں گی لیکن انسانیت کو اس وقت انسان بننے کا پیغام دینے کی ضرورت ہے۔انسانی قدروں کے لئے ایک عالمی سطح کا جہاد جاری کرنے کی ضرورت ہے۔اس پہلو سے میں جماعت احمدیہ کو دعوت دیتا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ انفرادی طور پر یا من حیث الجماعۃ جماعت کی طرف سے یہ کوششیں کامیاب نہیں ہو سکتیں جب تک دوسروں کو بھی اس معاملہ میں عقل دے کر اور دعوت دے کر ساتھ شریک نہ کریں ہمیں اس پیغام کو عام کرنا ہوگا اور اگر جماعت احمدیہ کی طرف سے مثلاً حکومتوں کے سربراہوں کو بڑے بڑے دانشوروں کو، اخباروں میں لکھنے والوں کو، جو اہل قلم لوگ ہیں ان کو خطوط لکھے جائیں ان کو سارا سال اس طرف متوجہ کیا جائے اور مختلف تجاویز ان کے سامنے رکھی جائیں تو پھر یہ ایک ایسی کوشش ہے جو ہو سکتا ہے کہ بعض ایسے دلوں میں بھی تبدیلی پیدا کر دے جو دل با اختیار ہیں جن کے پیچھے ایک قوم ہے ان ہاتھوں میں بھی یہ جنبش پیدا کر دیں جن کو عنان حکومت تھمائی جاتی ہے، جو ان دماغوں میں یہ تبدیلی پیدا کر دیں جن کی فکر قوم کی فکر بن جایا کرتی ہے۔

پس ہر پہلو سے اہل دانش، اہل قلم، اہل دل لوگوں کو جماعت احمدیہ کی طرف سے سمجھا بجھا کر محبت سے، پیار سے یہ باتیں پہنچانی ضروری ہیں اور آئندہ سارا سال دنیا کی ہر جماعت جو میرے

اس پیغام کو سن رہی ہے اس میں چھوٹے بڑے سب شریک ہو جائیں اگر بچے اپنی زبان میں ایک بات لکھ سکتے ہیں تو کیوں نہ لکھیں۔ بعض دفعہ بچوں کی زبان دل پر زیادہ اثر کرتی ہے اور واقعۃً بڑا گہرا اثر کرتی ہے۔ میں نے تو دیکھا ہے کہ جن بچوں کو کہنا نہیں آتا وہ بھی کچھ لکھ دیتے ہیں تو دل پر اثر پڑ جاتا ہے۔ مجھے بعض دفعہ بچوں کے ایسے خط آتے ہیں کہ اپنی طرف سے انہوں نے ایک بہت خوبصورت عبارت لکھ کر بھیجی ہوتی ہے اور وہ صرف گول مٹول حروف ہیں اور چکر لگائے ہوتے ہیں جیسے کسی مکھی کو سیاہی میں بھگو کر کاغذ پر پھرا دیں یا مکڑی کو سیاہی میں بھگو کر کاغذ پر پھرا دیں اور وہ اپنے والدین سے کہتے ہیں کہ میں نے اپنی طرف سے ایک بہت اچھا خط لکھا ہے اس پر پتا لکھ کر آپ بھیج دیں اور مجھے اس کا جواب چاہئے۔ چنانچہ اس خط کو پڑھنے کا بڑا مزا آتا ہے بڑا لطف آتا ہے کیونکہ اس خط میں محبت ہی محبت ہوتی ہے اور جس محنت سے وہ بچہ لکھ رہا ہوتا ہے وہ ساری محنت از خود زبان بن جاتی ہے۔ تحریر بولنے لگتی ہے۔ پتا چلتا ہے کہ کتنا پیارا بچہ، کتنی اس نے محنت کی ہے، کتنا اہتمام کیا ہے، قلم مانگا، سیاہی لی کاغذ کہیں سے پکڑا اور کہیں چھپ کر بیٹھ گیا اور اس نے کہا کہ میں خط لکھ کر لاتا ہوں اور پھر توقع یہ کہ میں بھی اسے جواب دوں، یہ پیغام مجھے زبانی پہنچا ہوتا ہے تو بعض دفعہ میں بھی ویسی ہی تحریر بنا کر نیچے دستخط کر کے بھیج دیتا ہوں اور ماں باپ کو کہتا ہوں کہ گونگے کی بولی ماں باپ ہی سمجھتے ہیں تو آپ بھی یہ زبان سمجھتے ہوں گے۔ آپ ان کو بتا دیں کہ کیا لکھا ہے۔ پتا نہیں وہ میری زبان ٹھیک پڑھتے ہیں کہ نہیں مگر میں بچوں کی زبان تو ٹھیک پڑھ لیتا ہوں تو بچے بھی لکھیں۔ **جس حد تک توفیق ہے ملکوں کے سربراہوں کو لکھیں، دانشوروں کو لکھیں، مولویوں کو لکھیں۔ پنڈتوں کو لکھیں، پادریوں کو لکھیں اور کہیں کہ خدا کا خوف کرو۔ اگر اخلاق دنیا سے اٹھ گئے تو مذہب کا رہے گا کیا؟ اگر انسانیت ہی قائم نہ ہوئی تو کیا حیوانوں سے خدا رشتے کرے گا۔ ان حیوانوں میں کیوں خدا نے نبی نہ بھیج دیئے جن سے بدتر تم ہوتے چلے جا رہے ہو اس لئے انسان کو انسانیت کے آداب سکھاؤ۔**

جماعت احمدیہ نے ایک عالمگیر تحریک پیش کی تھی جس کا ذکر میں نے گزشتہ خطاب میں بھی کیا تھا یعنی پیشوایان مذاہب کے جلسوں کا انعقاد۔ یہ بہت مفید ہیں مگر میں سمجھتا ہوں کہ اب انسانیت کے نام پر ہمیں جلسے کرنے چاہئیں۔ تحریک بہبود انسانیت کے نام پر تمام دنیا میں جلسے منعقد کرنے چاہئیں۔ اس میں صرف مذاہب کے نمائندے نہیں آئیں گے، دہریئے بھی آئیں گے۔ ہر قسم کے

لوگ آئیں گے۔ ان کو سمجھانے کی ضرورت ہے کہ انسانیت ہے کیا؟ دنیا میں انسانیت کا شرف دوبارہ قائم کئے بغیر، انسانی قدروں کو بحال کئے بغیر ہم جو عالمی انصاف کی یا عالمی امن کی باتیں کرتے ہیں وہ صرف منہ کی باتیں ہیں، ان میں کوئی بھی حقیقت نہیں ہوتی۔ اس سلسلہ میں بڑے دلچسپ پروگرام بنائے جاسکتے ہیں۔ بڑے اچھے اچھے جلسے کئے جاسکتے ہیں اور ان جلسوں میں پسماندہ قوموں کے حقوق کے اوپر بھی بحث ہوسکتی ہے لیکن یہ دراصل بعد کی باتیں ہیں، پہلے میں سمجھتا ہوں کہ صرف انسانی قدروں کی بات ہونی چاہئے۔ انسانی قدروں کے حوالوں سے بعض دفعہ یہ بات بھی آئے گی کہ ہم ایک ملک میں عیش وعشرت کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور ایک اور ملک ہے جہاں فاقے کئے جارہے ہیں۔ اگر انسانی قدریں زندہ ہوں تو یہ نہیں ہوسکتا۔ انسانی قدروں کی راہ میں قومی دیواریں حائل ہوگئی ہیں، کہیں مذہبی دیواریں حائل ہو جاتی ہیں، کہیں نظریاتی دیواریں حائل ہو جاتی ہیں۔ پس ان سب مصنوعی جھوٹی دیواروں کا ٹوٹنا ضروری ہے اور وہ اندرونی دباؤ سے ٹوٹنی چاہئیں۔ بیرونی حملے سے نہیں۔ اندرونی دباؤ جو انسانیت کے زندہ ہونے سے دلوں سے پیدا ہوگا اور قوم کے اندر جب وہ مجموعی طور پر زیرو بم دکھائے گا اس کے اندر اونچ نیچ ہوگی۔ جذبات میں بعض دفعہ کمی آتی ہے بعض دفعہ زیادتی ہوتی ہے تو میری مراد یہ ہے کہ جب انسانیت کے سانس چلنے لگیں گے، جب انسانیت کا دل دھڑکنے لگے گا، جب انسانی جذبات میں تموج پیدا ہونے لگے گا تو وہ اندرونی دباؤ ہے جو تعصب کی یہ دیواریں توڑے گا۔ ورنہ تعصب کی دیواریں باہر سے نہیں توڑی جاسکتیں۔ **یہ گہرا نفسیاتی نکتہ ہے۔ تعصب کی دیواروں کو جب باہر سے توڑنے کی کوشش کرو گے تو تعصّب بڑھے گا۔ پس اندر سے سوچوں کو بدلنا پڑے گا۔ نظریات میں تبدیلی پیدا کرنی ہوگی۔** پس جماعت احمدیہ کے جتنے فکر رکھنے والے، جتنے دل رکھنے والے صاحب نظر لوگ ہیں، ان سب سے میں یہ درخواست کرتا ہوں کہ اپنی صلاحیتوں کو استعمال کریں اور دراصل ہر احمدی عام گفت وشنید کے ذریعہ بھی اپنے اردگرد چھوٹے چھوٹے حسین جزیرے قائم کرسکتا ہے۔ ہر انسان کے اندر ایک بنیادی مادہ ہونا چاہئے جو پھیلنے کی صلاحیت ہے اور بعض پیغامات جو اپنی ذات میں پھیلنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ پیغام بھی ان پیغاموں میں سے ایک ہے۔ یہ ایک ایسا پیغام ہے جو فی الحقیقت انسانی دل کی آواز ہے۔ انسانی فطرت سے پھوٹا ہوا پیغام ہے۔ پس احمدی خواہ دانشور ہو یا غیر دانشور ہو، پڑھا لکھا ہو یا ان پڑھ ہو اگر وہ اپنے

ماحول میں ایک زندہ پیغام کی بات کرتا ہے تو اس کا پیغام اسی طرح سنا جائے گا جیسے کہا گیا ہے کہ:

دیکھنا تقریر کی لذت کہ، جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ، گویا یہ بھی میرے دل میں ہے (دیوان غالب: ۲۴۲)

پس زندہ پیغام کی یہ نشانی ہوتی ہے اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آج دنیا غیر انسانی ہوتے ہوئے بھی انسانیت کے لئے ترس رہی ہے۔ اس کی گہری فطرت کی یہ آواز ہے کہ ہمیں اس کی ضرورت ہے۔ پس جب احمدی یہ آواز بلند کرے گا تو کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ یہ آواز تو دل سے اٹھے گی اور ضرور دل میں جا بیٹھے گی اور پھر وہاں نشوونما پائے گی اور پھوٹے گی۔ پھر اپنے دائیں بائیں دوسرے غیر انسانی لوگوں کو انسان بنانے کے لئے کوشاں ہو جائے گی۔

پس ایک تو جلسوں کے متعلق تھا یعنی انسانیت کے موضوع پر جلسے کرنے چاہئیں دوسرے میں سمجھتا ہوں کہ حکومتوں کو اس نقطہ نگاہ سے آپس میں معاہدے کرنے چاہئیں۔ خاص طور پر ان علاقوں میں جہاں نفرتیں پائی جاتی ہیں یا بعض نفرتیں تاریخی طور پر لمبی گہری جڑیں ہمارے ماضی میں پھینکے ہوئے ہیں اور جمائے ہوئے ہیں اور حقیقت میں نفرتیں اسی وقت زیادہ خطرناک بنتی ہے جب اس کی جڑیں زیادہ دور تک ماضی میں دراز ہو چکی ہوں۔ مذہبی نفرتوں کا بھی یہی حال ہے، قومی اور سیاسی نفرتوں کا بھی یہی حال ہے۔ نفرت کی وہ تاریخ پیچھا نہیں چھوڑتی۔ بعض بدبخت کھود کر وہ نکالتے ہیں اور پھر ماضی کی نفرتوں کو حال میں اور مستقبل میں تبدیل کرتے رہتے ہیں ان کا کام ہی یہی ہے۔ پس اس پہلو سے میں سمجھتا ہوں کہ حکومتوں کے درمیان سمجھوتے ہونے چاہئیں اور ایک ضابطۂ حیات طے ہونا چاہئے۔ مثلاً پاکستان اور ہندوستان کے درمیان یہ جو ہندو مسلمان کی ایک تاریخی نفرت ہے اور بعض دفعہ یہ سکھ مسلمان نفرت میں تبدیل ہو جاتی ہے، بعض دفعہ ہندو سکھ نفرت میں تبدیل ہو جاتی ہے، بعض دفعہ اچھوت اور غیر اچھوت نفرت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہ ساری وہ نفرتیں ہیں جن کی جڑیں ہندوستان کی تاریخ میں سینکڑوں سال تک گہری ہیں اور ان کے متعلق جب تک پاکستان اور ہندوستان اور بنگلہ دیش کی حکومتیں مل کر یہ فیصلہ نہ کریں کہ ہم اپنے اپنے ملک میں اس قسم کی نفرتوں کو نہیں پنپنے دیں گے اور اس ضمن میں بعض اصولی فیصلے کر کے اپنے اپنے ملک کے قوانین میں ان فیصلوں کو داخل نہ کریں نفرتوں کو مٹایا نہیں جا سکتا۔ اگر ایسا کریں گے تو یہ سنجیدگی

کے ساتھ ایک ایسا قدم ہوگا جس کے اچھے نتائج کی توقع کی جاسکتی ہے ورنہ محض منہ کی باتیں ہیں۔

دوسرے انسان اور انسان کے درمیان نفرتوں کو کم کرنے کے لئے مذہبی لحاظ سے بھی ایسے ضابطۂ حیات کی ضرورت ہے جو دنیا کے سب ملکوں کو قابل قبول ہو خواہ وہ قبول کریں یا نہ کریں لیکن قابل قبول ضرور ہو یعنی کوئی عقلی دلیل اس کے خلاف نہ ہو مثلاً اگر یہ ضابطہ اخلاق اسلامی جیسا کہ پاکستان میں آج کل رائج ہے اگر دنیا کے سامنے پیش کیا جائے تو کسی کے لئے قابل قبول نہیں ہے کہ ہمیں بحیثیت مسلمان ہونے کے باقی سب سے زائد حق حاصل ہیں۔ ہمیں یہ حق حاصل ہے کہ تمہارے مذہب کو تبدیل کریں تمہیں یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ہمارے مذہب کو تبدیل کرو۔ اب یہ وہ ایسا پیغام ہے جس کے عالمی ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور غیر عالمی مقامی پیغام اسلام کی طرف منسوب کرنا ظلم ہے۔ اس کا جھوٹا ہونا اسی سے ثابت ہے کہ یہ جغرافیائی پیغام ہے جو محدود علاقوں کے لئے ہے۔ کتنے ملک ایسے ہیں اور کتنے طاقتور ہیں وہ ملک جن میں اسلام مذہب کے طور پر غالب ہے دنیا کے ممالک کی بھاری اکثریت ایسی ہے جن میں یا تو اسلام کا ذکر ہی کوئی نہیں یا ہے تو بالکل معمولی حیثیت میں ہے اور ایسے پھر بہت سے ملک ہیں جہاں اسلام موجود ہے حیثیت بھی ہے لیکن اکثریت کی طاقت حاصل نہیں ہے۔ تو ایسا ضابطۂ حیات بعض اسلامی ملکوں میں اسلام کے نام پر اختیار کر لینا جس میں فی ذاتہٖ زندہ رہنے کی صلاحیت نہیں۔ جس کو کل عالم کا پیغام نہیں بنایا جاسکتا۔ قومیں اور قوموں کی فطرتیں اس کو قبول نہیں کریں گی۔ ایسے پیغام کو اسلام کے نام پر دنیا میں پھیلانے کی کوشش کرنا ایک قومی مذہبی خودکشی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

پس ایسا ضابطۂ حیات طے کریں اور یہ بات طے کرنے کا شعور اور سلیقہ اسلامی ملکوں کو تب آئے گا جب غیر اسلامی ملکوں سے گفت وشنید کریں گے اور آپس میں صلح کی خاطر امن کی خاطر ایسے سمجھوتے کرنے کی کوشش کریں گے جو دونوں ملکوں میں یکساں قابل عمل ہوں۔ جب آپ یہ بات کرتے ہیں تو انسانی قدر مشترک کی بات از خود آجاتی ہے۔ پس اس پہلو سے یہ انسانیت کو فروغ دینے کی کوششوں میں سے ایک اہم کوشش ہوگی۔ پس ضابطۂ حیات طے کریں۔ مثلاً جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ عدل کی حکومت ہونی چاہئے اور جیسا کہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے نہ صرف فرمایا بلکہ کر کے دکھایا۔ اگر عالم اسلام مدینہ کا چارٹر جو Charter of Madeena کے

نام سے مشہور ہے جو آنحضرت ﷺ اور یہودیوں اور وہاں کے بسنے والے مشرکین کے درمیان اور عیسائیوں کے درمیان ایک معاہدہ کی شکل میں لکھا گیا۔ اس چارٹر کو اگر ساری دنیا کے Peace چارٹر کے طور پر پیش کیا جائے۔ صرف ایک فرق کے ساتھ کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی لیڈر شپ کے الفاظ دنیا وہاں قبول نہیں کرے گی اور ویسے بھی وہ چارٹر اس حوالے سے آنحضرت ﷺ کی زندگی تک عمل رکھتا تھا لیکن اس پہلو کو چھوڑ کر وہ مدینہ کا چارٹر ساری دنیا کے لئے امن کا چارٹر بن سکتا ہے۔ بہت ہی گہرے عدل پر مبنی ہے اور اس چارٹر کے بعد کسی قوم کو کسی دوسری قوم سے خطرہ درپیش نہیں ہوگا۔ پس پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش، برما ان سب ملکوں میں یہ مسائل بڑے بھاری اور گہرے مسائل ہیں یعنی آپس میں مذہبی منافرتوں کے مسائل۔ ان کو یہ اختیار کرنا چاہئے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس سے ان سب ملکوں کا بھلا ہوگا لیکن پتا نہیں کیوں یہ مذہبی جنون کی حوصلہ شکنی نہیں کر رہے جس کا مطلب یہ ہے کہ سیاستدان ذمہ دار ہے۔ سیاستدان کی خودغرضی ہے جو ساری قوم پر بلکہ ساری انسانیت پر یہ ظلم کر رہی ہے لیکن جب ملک آپس میں بیٹھیں گے تو ایک دوسرے کو تقویت دے رہے ہوں گے۔ پھر یہ اپنے اپنے ملک کے مذہبی جنونیوں سے کم ڈریں گے اور ایک بڑی سطح پر ایسے فیصلے کرنے کی زیادہ اہلیت رکھیں گے کہ مذہب میں اس بات کی اجازت ہوگی اس بات کی نہیں ہوگی۔ مثلاً چند باتیں ہیں جو مختصر وقت میں بھی میں آپ کے سامنے رکھ سکتا ہوں۔ اول یہ کہ مذہبی آزادی کو ان سب ملکوں کو تسلیم کرنا ہوگا اور مذہبی آزادی میں تبلیغ کرنے کے حق کو بھی تسلیم کرنا ہوگا۔ اگر یہ حق تسلیم کیا جاتا ہے تو ہر پاکستانی مسلمان کو یہ حق ہوگا کہ ہر ہندو کو تبلیغ کرے اور ہر ہندو کو ہندوستان میں اور پاکستان میں بھی یہ حق ہوگا کہ ایک مسلمان کو تبلیغ کرے۔ اس حق کے ساتھ جو بین الاقوامی حیثیت کا حق ہے کسی مذہب کو کسی دوسرے مذہب پر فوقیت نہیں دی جاسکتی بلکہ برابر کا حق ہے اور دراصل تبلیغ میں یہ برابری کا حق ہونا شامل ہے لیکن مولویوں کو اس بات کی عقل نہیں آتی کہ جب یہ تبلیغ کا حق صرف اپنے لئے محفوظ کراتے ہیں تو تبلیغ کہتے کس کو ہیں کسی کو پیغام پہنچائیں گے کہ نہیں پہنچائیں گے جب پہنچائیں گے تو کیا اس کو جواب کا حق نہیں دیں گے۔ اس کو کہیں گے کہ تمہارے دل میں خواہ کتنے خدشات ہوں، کتنے بھاری اعتراض ہوں، منہ سے نہیں بولنا اور اگر کہیں گے کہ بولو تو پھر وہ بھی آپ کو تبلیغ کر رہا ہے تو تبلیغ تو یک طرفہ ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ فارمولا انتہائی جاہل دماغوں کی پیداوار ہے کہ

مسلمان دوسرے کو تبلیغ کرسکتا ہے غیر مسلم مسلمان کو تبلیغ نہیں کرسکتا۔ اختلاف رائے کو کھنگالنے کا نام ہی تو تبلیغ ہے اور عقل کو قائل کرنے اور دلوں کو قائل کرنے کے بعد کسی دوسرے مذہب میں داخل کرنے کا نام ہی کامیاب تبلیغ ہے۔ پس ہندو کو بھی حق ہے، سکھ کو بھی حق ہے، ہر اقلیت کو حق ہے اور اس حق کے سوا کوئی عقل کا فیصلہ ہے ہی نہیں۔ اس کے متبادل کوئی اور تجویز نہیں ہے۔ جب یہ تسلیم کریں گے تو اس کے ساتھ ہی پھر وہ دوسرا سوال اٹھ کھڑا ہوگا کہ جب تبلیغ کریں گے تو منافرتیں پھیلیں گی۔ یہاں پہنچ کر جماعت احمدیہ قدم قدم پر ان کی بڑی عمدہ راہنمائی کرسکتی ہے۔

اختلاف رائے کا اظہار کرنا ہرگز انسانی حقوق کے منافی نہیں ہے بلکہ انسانی حقوق میں داخل ہے۔ کسی مذہب کے عقائد کو تسلیم نہ کرنا ہرگز دل آزاری نہیں کہلاسکتا کیونکہ یہ ایک فطری بات ہے کہ میں وہی مانوں گا جو میں سمجھتا ہوں اور جو میں سمجھتا ہوں اگر میں وہ بیان کروں تو یہ کسی کی دل آزاری نہیں ہے، یہ حقیقت ہے۔ اب یہ سارے مولوی جو پاکستان میں یا باہر اسی مزاج کے بستے ہیں ان کو اچھی طرح علم ہے کہ کوئی عیسائی ایسا نہیں جو حضرت رسول اکرم ﷺ کو سچا سمجھتا ہو۔ تو جب یہ بات کرتے ہیں کہ فلاں کے دل میں چونکہ یہ بات ہے اس لئے اس نے ہتکِ رسول کی ہے تو اس پیمانے پر اگر جانچا جائے تو پاکستان میں سارے عیسائی واجب القتل ہوجاتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ہر ہندو بھی آنحضرت ﷺ کو **نعوذباللہ من ذٰلک** جھوٹا سمجھتا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کو بھی جھوٹا سمجھتا ہے ورنہ وہ ہندو رہے ہی نا تو اگر مولوی کے پیش کردہ نسخہ کو قبول کیا جائے تو ہر ہندو پاکستان میں بھی واجب القتل ہوجائے گا اور عیسائی ملکوں میں بھی واجب القتل ہوجائے گا۔

یہ سب جہالت کی باتیں ہیں، عقائد کے اختلاف کو جب آپ قانونی طور پر تسلیم کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مذہبی راہنما کو انسان عقیدۃً سچا نہ سمجھے تو یہ اس کی ہتک نہیں ہے اور کسی کے لئے دل آزاری کا اس میں کوئی سوال نہیں۔ اس کے لئے تبلیغ کی اجازت ہے۔ سمجھاؤ کہ وہ سچا ہے یہی اس کا علاج ہے اگر کسی سربراہ کے متعلق وہ ایسی بات کرتا ہے جو اپنے اظہار میں ناپسندیدہ اور مکروہ ہے جس میں گالی سے کام لیا گیا ہے، گستاخی سے کام لیا گیا ہے، مخالفت کی گئی ہے اور مخالفت عقیدے کی نہیں بلکہ گند اچھال کر اپنے بغض کو ظاہر کیا گیا ہے تو ایسا شخص لائق تعزیر ہے۔ قانون اگر بنایا جاسکتا ہے تو اس حد تک بنایا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی شخص بغیر ضرورت کے اپنے کسی مخالف کے

ایسے بزرگ کو جو اس کے نزدیک عزت رکھتا ہے، خواہ کہنے والے کے نزدیک نہ رکھتا ہو ایسے لفظوں سے یاد کرے گا جو تہذیب سے گرے ہوئے اور بدتمیزی کے لفظ ہیں تو قطع نظر اس کے کہ اس کے دل میں کیا ہے ایسا شخص واجب التعزیر ٹھہرے گا اور یہ تعزیر مقرر کرتے وقت تمام دنیا کے مذہبوں کے سربراہوں کے لئے برابر حقوق تسلیم کرنے ہوں گے یہ پیغام دراصل قرآن کریم میں موجود ہے جب یہ کہا جاتا ہے کہ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (البقرہ:۲۸۶) کہ مومن یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم خدا کے بھیجے ہوئے رسولوں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے تو اس سے یہی مراد ہے کہ عزتوں کے فرق ضرور ہوں گے۔ مراتب کے فرق ضرور ہوں گے۔ مگر انصاف کے ایک ہی قانون سے ان ساروں سے سلوک کیا جائے گا یا دوسرے سے لفظوں میں ان کی قوموں سے سلوک کیا جائے گا تو اسی قسم کے اور بہت سے ضوابط ہیں جو میرے ذہن میں ہیں۔ میں انشاء اللہ آئندہ خطبہ میں خواہ اس خطبہ کا موضوع کچھ اور ہو شروع میں اسی مضمون کو جاری رکھوں گا تا کہ اس بات کو پوری طرح سمجھا کر ختم کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ انسانی اقدار کو دوبارہ دنیا میں قائم کرنے کے لئے یہ ساری کوششیں انتہائی ضروری ہیں اور احمدیوں کو جب تفصیل سے علم ہوگا کہ میرے ذہن میں امن عالم کے قیام کے لئے کیا کیا تجاویز ہیں۔ انسانی قدروں کو بحال کرنے کے لئے کیا معین باتیں میرے ذہن میں ہیں تو انشاء اللہ پھر وہ پہلے سے بہتر طور پر مسلح ہو کر اس جہاد میں حصہ لے سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

اب میں ساری دنیا کی جماعتوں کو جو اس وقت مجھے دیکھ رہی ہیں یا سن رہی ہیں اور احباب جماعت مردوں، بچوں، عورتوں کو سب کو میں ایک دفعہ پھر محبت بھرا سلام کہتا ہوں اور اجازت چاہتا ہوں اب یہ ملاقاتیں انشاء اللہ تعالیٰ بار بار ہوتی رہیں گی اور میں یہ سوچ رہا ہوں کہ **انشاء اللہ جلد وہ وقت بھی آجائے گا جب ہم دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے ایک ٹیلی ویژن دوسرے ملک میں نصب ہوگا ایک یہاں اور اس ملک کے باشندے ہمیں دیکھ رہے ہوں گے اور ہم ان کو دیکھ رہے ہوں گے تو یہ آمنے سامنے کی تمنائیں بھی اللہ ایک دن پوری کرے گا۔ خدا کرے کہ وہ دن جلد طلوع ہو۔ آمین**